

چیف سکرٹری!

شہباز شریف 2008ء کے ایکشن کے بعد جب وزیر اعلیٰ بنے تو اقتدار سے دور ہوئے آٹھ برس ہو چکے تھے۔ اصل حکمران طبقہ یعنی پنجاب کی بیورو کریسی پر گرفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ یہ انتظامی لحاظ سے ایک مشکل دور تھا۔ میاں صاحب نے اس وقت حد درجہ درست فیصلہ کیا اور جاوید محمود کو چیف سکرٹری پنجاب لگادیا۔ کامیاب حکمرانی کی طرف یہ مضبوط ترین قدم تھا۔ جاوید محمود سے کوئی خاص دعا سلام نہیں تھی۔ بلکہ یہ کہنا درست ہو گا کہ واجبی ساتھ تک نہیں تھا۔ مگر جب اس بندے کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا تو میں شش دررہ گیا، کہ خدا یا، ہمارے نظام میں ایسے افسر بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ جاوید محمود ایسا کیوں ہے۔ عامِ ذہن میں تو یہی نقشہ ابھرتا ہے کہ چیف سکرٹری، بہترین کوٹ پینٹ اور زبردست جو تے پہنے ہو گا۔ ہاتھ میں سگار اور انگریزی میں گفتگو کرے گا۔ مگر جب اس چیف سکرٹری کو مینگ میں دیکھنے کا موقع ملا تو تعجب نہیں بلکہ ذہنی جھٹکا لگا۔ کہ خدارا اتنا سادہ لباس۔ جاوید محمود سفید کرتے شلوار اور پشاوری چپل پہنا کرتے تھے۔ کسی اور رنگ کے لباس میں کم از کم مجھے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ عمران خان تو بطور وزیر اعظم پشاوری چپل پہنے پر مشہور ہوئے۔ مگر 2008ء میں پنجاب کی اعلیٰ ترین سرکاری سطح پر پشاوری چپل پہنے کا رجہان اس عجیب سے چیف سکرٹری سے شروع ہوا۔ ایک دن انہیں دفتر آتا ہوا دیکھا تو کالے رنگ کی ہونڈ اسٹی میں الگی سیٹ پر بر اجمان نظر آیا۔ حیرت ہوئی کہ اتنی عام سی گاڑی میں تو حد درجہ جو نیر افسر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ تو چیف سکرٹری کو کیا مصیبت آن پڑی ہے، کہ وہ بے کاری گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہے۔ مگر یہ آدھا سچ تھا۔ پورا سچ یہ تھا کہ سرکاری گاڑی کا اے سی بھی بندرا رہتا تھا۔ آپ کو یقین نہ آئے گا۔ وہ شخص کار میں ایرکنڈیشنری تک نہیں چلاتا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد مجھے ذہن میں دو طرح کے سوال ابھرے۔ ایک تو یہ کہ جاوید محمود ہم سب کو بے وقوف بنارہا ہے۔ دکھاوا کر رہا ہے اور بے حد جعلی سا انسان ہے۔ دوسرا منشاء سوال یہ تھا کہ یہ ایک کھڑا اور سچا انسان ہے۔ جو سرکار پر کم سے کم بوجھ ڈالنا چاہتا ہے۔

جب ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تو یقین ہو گیا کہ یہ شخص جعلی نہیں ہے۔ مگر لکھنے میں ایک دشواری ہے۔ اور یہ میں دل سے عرض کر رہا ہوں۔ پاکستان ایڈمنیسٹریٹیو سروس (P.A.S) میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے ملک کے لائق ترین لوگ آتے ہیں۔ سی ایس ایس میں اعلیٰ نمبر لینا بالکل بھی آسان کام نہیں ہے۔ مگر یہ گروہ جس سے میرا بھی دلی تعلق ہے۔ عمومی طور پر تقید کا نشانہ ہی بنارہتا ہے۔ اس کے متعلق پروپیگنڈا اور منفی تاثر بڑی کامیابی سے پھیلا یا جاتا ہے۔ مگر درست بات تو یہ ہے کہ یہی چند لوگ حکومت کی یا لیسیوں کو نافذ کرتے ہیں۔ یہی سرکار چلاتے ہیں۔ اور المیہ یہ ہے کہ انتہائی کم سطح کے سیاسی لوگ

ان کے باس ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا دکھ ہے جس کا کم از کم میں بہت زیادہ شکار رہا ہوں۔ سیاسی لوگوں میں جب یہ احساس جا گتا ہے کہ ان کا ماتحت ان سے بہت بہتر ہے۔ تو ایک عجیب سی کش مش شروع ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ اکثر افسر کی مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ جاوید محمود ان لوگوں میں سے تھا جو نوکری کرنے میں اتنے سنبھیڈ ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ شاید آپ کو لگے کہ میں ایک چیف سینکڑری کی بے جا تعریف کر رہا ہوں۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ جاوید صاحب کو ریٹائرڈ ہوئے دہائی گزر چکی ہیں۔ اب وہ صرف ایک اعلیٰ کاشت کار ہے۔ مجھے اس مرد عجیب کی اب تعریف سے کیا حاصل ہو گا۔ ہاں اگر میں موجود ہی ایم یا چیف سینکڑری کی خوشامد کروں تو بہت کچھ حاصل کر سکتا ہوں۔ مگر اب میں اتنا سکون میں ہوں کہ جتنا بھی خدا کا شکر ادا کروں کم ہے۔ بات جاوید محمود کی ہو رہی تھی۔

اس شخص نے عجیب و غریب سے انتظامی فیصلے کرنے شروع کردیئے۔ ہر سینکڑری کو حکم ملا کہ وہ ایک تحصیل کے تمام ترقیاتی کاموں کی نگرانی کرے گا۔ تجاوزات کا خاتمہ کرے گا۔ اور موقعہ پر ضلعی انتظامیہ کے ساتھ بیٹھ کر لوگوں کے مسائل برق رفتاری سے حل کرے گا۔ شروع میں مجھے گوجرہ جانے کا موقع ملا۔ ہاں ایک بات بتانا بھول گیا۔ چیف سینکڑری ہر صوبہ کی تحصیل میں جائے گا اور ہاں تمام کام خود دیکھے گا۔ یہ سرکاری دورہ آدھ پون گھنٹے کا ہوتا تھا۔ مگر سینکڑری وہاں اس وقت تک رہے گا۔ جب تک تمام سرکاری کام بہتر نجح پر گام زن نہیں ہو جاتے۔ گوجرہ میں کئی دن رہنے کا اتفاق ہوا۔ ایک دن دیکھا کہ میونسل کار پریشن کا ایک اہلکار سڑک پر پوتوں کو دھو رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے کہ چیف سینکڑری آ رہا ہے۔ لہذا پوچھنے تک صاف ہونے چاہیں۔ گوجرہ ٹوبہ روڈ پر ایک بہت بڑا سکول بن رہا تھا۔ جب جاوید محمود وہاں پہنچا تو میرے ساتھ ایکسین بھی کھڑا تھا۔ چیف سینکڑری نے ایکسین سے پوچھا کہ اس عمارت کی چھت پر پانی کھڑا کر کے دیکھا ہے کہ چھت کہیں سے لیک تو نہیں کر رہی۔ ایکسین کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ چیف سینکڑری اتنی باریک بنی سے سکول دیکھے گا۔ اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا۔ اس کے بعد ایکسین صاحب کی وہ سرکاری دھلانی ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ چیف سینکڑری کا سوال بالکل درست تھا۔

افسروں پر بہت زیادہ الزام یہ بھی ہے کہ وہ دفتر میں تاخیر سے آتے ہیں۔ جاوید محمود نے اس الزام کو ذاتی کار کر دی۔ سے دھویا۔ آٹھ بجے میں پانچ منٹ پر مینگ کے لئے سب بیٹھ جاتے تھے اور ٹھیک آٹھ بجے سرکاری کام شروع ہو جاتا تھا۔ سختی کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے کام تیزی سے ہونے شروع ہو گئے۔ مگر چند افسروں کو یہ معاملہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ وزیر اعلیٰ کو شکایتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جاوید محمود کو سب کچھ معلوم ہو جاتا تھا مگر اس نے اپنا ثابت طرز کا کام کرنا بالکل تبدیل نہیں کیا۔ دونوں فیصلے ایسے کر ڈالے جو کہ اس کے بعد کوئی بھی چیف سینکڑری کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ایک تو سول

سیکرٹریٹ میں حد درجہ تجاوزات تھیں۔ حکم دیا کہ فوری طور پر تجاوزات ختم کی جائیں اور سیکرٹریٹ کو اس کی اصل صورت میں بحال کیا جائے۔ صرف دو مہینے میں تجاوزات ختم کر دی گئی۔ اب ایسا لگتا تھا کہ یہ سول سیکرٹریٹ پرانی نہیں، بلکہ بالکل نئی ہے۔ کھلی اور حد درجہ کشادہ۔ دوسرا محیر العقول فیصلہ یہ کیا۔ کہ جاوید محمد نے اپنے دفتر کے باہر ایک درخت کے نیچے کرسی میز لگالی۔ کوئی بھی شخص ان سے مل سکتا تھا۔ کوئی چٹ، کوئی دربان، کوئی چوبدار نہیں تھا۔ ایک دن انہوں نے فون کیا کہ ایک ریٹائرڈ اہلکار آیا ہے۔ اس کی پیشش جاری نہیں ہوئی۔ وہ میرے ہی ڈیپارٹمنٹ کا اہلکار تھا۔ خیر کوشش کر کے ایک دن میں اس کی پیشش جاری کروادی۔ وہ شخص آیا اور میرے پاس دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ سالوں سے رکا ہوا کام صرف چوبیس گھنٹوں میں ہو گیا ہے۔ وہ جتنی دعا تھیں جاوید محمد کو دے رہا تھا۔ عرض نہیں کر سکتا۔ اور ہاں۔ جب بھی چیف سیکرٹری کوئی سرکاری کام کہتا تھا تو یہ بھی حکم صادر ہوتا تھا کہ اسے صرف ایک دن میں کروانا ہے۔ آپ یقین فرمائیئے۔ ایسا ہی ہوتا تھا۔ عام لوگوں کے کام جس سرعت سے اس دور میں ہوئے۔ اس کا اندازہ آج لگانا بہت مشکل ہے۔ پورے صوبے میں سرکاری کام کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ ہر ڈی سی، کمشنر اور سیکرٹری کے ذہن میں ہوتا تھا کہ کوئی پیٹہ نہیں۔ کہ چیف سیکرٹری کا صحیح صحیح فون نہ آ جائے۔ کہیں غیر موجودگی کی بدولت باز پرس نہ شروع ہو جائے۔ آپ کو یقین نہیں آئے گا۔ کہ جب تک جاوید محمد چیف سیکرٹری رہا، پنجاب میں افسر صحیح آٹھ بجے سے کام کرنا شروع کر دیتے تھے۔

بہت سے واقعات ہیں۔ جنہیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مگر ایک چھوٹے سے کالم میں کیا لکھوں اور کیا رہنے دوں۔ ایسے ایسے انقلابی کام تھے کہ سوچتے ہوئے بھی حیرانی ہوتی ہے۔ جیسے کئی میٹنگز تھیں جو صحیح آٹھ بجے شروع ہوتی تھیں اور رات دو بجے تک چلتی رہتی تھیں۔ ہر افسر اپنی کار کردار کی روپورٹ پیش کرتا تھا۔ بہر حال جاوید محمد کی مقبولیت سے چند سرکاری بابو نالاں بھی تھے۔ انہوں نے انتہائی کاری گری سے وزیر اعلیٰ شہباز شریف کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ وزیر اعلیٰ بھی جاوید کی رفتار اور کام سے خالف ہو چکا تھا۔ پھر بالکل وہی ہوا جو اچھے افسروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک معمولی سے واقعہ کو بنیاد بنا کر جاوید محمد کو اس ڈی بنادیا گیا۔ ایک دو دن کے لئے نہیں۔ ڈھائی تین سال کے لئے۔ دراصل ہم ڈرے ہوئے لوگ ہیں اور اکثریت اپنے سے بہتر انسان کو قبول نہیں کرتی۔ لہذا ہمیشہ بہترین افسر سازش کا شکار ہو کر ضائع کر دیتے جاتے ہیں۔ جاوید محمد کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ شائد ہونا بھی چاہیے تھا۔ ہمیں اعلیٰ کار کردار کی والے افسروں نہیں بلکہ مسخرے ڈرامے بازاں اور بابو ٹائپ افسر ہی بھاتے ہیں۔ کیوں؟ آپ کو بھی وجہہ معلوم ہے!

